وشوابھارتی یونیورسٹی کے
فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدالوہاب صاحب بدر بستوی، سنٹرل لائبریری، وشوابھارتی یونیورسٹی، شانتی نیکیتن
(مغربی بنگال)

(۲)
کمیاب فارسی مخطوطات

مارچ ۱۹۸۱ء کے برہان میں چند نایاب نسخوں کا تعارف پیش کیا گیا تھا۔ اب کمیاب کے بارے میں چند سطریں عرض کی جارہی ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ صفحات برہان پر پیش نظر عنوان کے تعارفی مضمون کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ انقطاع کے داغ سے پاک ہوتا لیکن چند موانعات کی بنا پر تکمیل آرزو نہ ہوسکی۔ اب وہ موانعات دور ہو چکے ہیں اس لیے امید ہے تسلسل ٹوٹنے نہیں پائے گی۔

اس معذرت کے ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ جن نسخوں کو متعارف کرایا جارہا ہے ان کے بارے میں یہ بتانے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مشہور کتب خانوں اور علمی اداروں میں کہاں کہاں اصل متن یا ترجمہ وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں۔ اس ضمن میں کسی فردِ واحد کی ذاتی ملکیت مراد نہیں ہے۔ بدر بستوی۔

۱۔ نگارستان | مصنف معینی الجوینی۔ صفحات ۵۴۰۔ تاریخ کتابت ماہ شوال ۹۵۳ھ / ۱۵۴۶ء کاتب محمد حسین بن محمد مظفر ٹائٹل صفحہ کی ایک تحریر کے مطابق یہ نسخہ اولاً ۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء میں مرشدا

(بنگال) کے نواب معین الدولہ کی لائبریری میں داخل ہوا تھا۔ لیکن اب یہ کسی طرح وہاں سے دستوا بھارتی لائبریری میں آگیا۔

نگارستان کتاب تاجیز کی تحقیق کے مطابق ہندوستان کی کسی دوسری لائبریری میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ بیرونِ ہند لندن کے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ برٹش میوزیم والے نسخہ میں تاریخ کتابت درج نہیں لیکن انڈیا آفس لائبریری والے نسخہ کی کتابت ۹۷۷ھ/۱۵۶۹-۷۰ء ہے۔ بنابریں پیش نظر نسخہ دو جہتوں سے دستوا بھارتی یونیورسٹی لائبریری کے لیے باعثِ فخر ہے کہ کم از کم ہندوستان میں یہ نسخہ نایاب اور انڈیا آفس لائبریری والے نسخہ سے قدیم تر ہے۔

نسخہ کا ہر صفحہ انیس ۱۹ سطروں پر مشتمل اور سنہری و نیلی لائنوں سے محیط ہے۔ عنوانات، قرآنی آیات اور احادیث کی کتابت کے لیے سُرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ یہ نسخہ بخط نستعلیق نہایت ہی صاف اور اچھی حالت میں ہے۔

موضوعِ نسخہ اخلاقیات ہے جو گلستانِ شیخ سعدی (متوفی ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) کی پیروی میں ۷۳۵ھ/۱۳۳۴ء میں تالیف ہوا جو حسبِ ذیل سات ابواب پر منقسم ہے:

"باب اوّل در مکارمِ اخلاق، باب دوم در ضیافت و پرہیزگاری، باب سوم در حُسنِ معاشرت، باب چہارم در عشق و محبت، باب پنجم در وعظ و نصیحت، باب ششم در فضل و رحمت، باب ہفتم در فوائدِ متفرقہ۔"

شروع کے ستائیس ۲۷ صفحات دیباچہ کے ہیں جن میں مصنف نے اسبابِ تصنیف، وجہِ تسمیۂ کتاب، شاہِ وقت اور اس کے وزیرِ اعظم کی مدح نیز اپنے پیر اور استاذ کا تذکرہ کیا ہے۔ دیباچہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کتابِ ہذا کو شاہِ وقت کا اشارہ تھا کہ اخلاق پر ایک کتاب تالیف ہونی چاہیے۔ اسی اشارہ کے بموجب مصنف موصوف آمادہ ہوئے اور اس کے لیے مواد جمع کرنا شروع کر دیا لیکن ناسازگاریِ حالات ترتیبِ تالیف میں حائل ہوتے رہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"زمانہ جانی از سرِ ناانصافی بتحصیلِ آں مراد و ادراکِ آں مرام رخصت نمی داد و روزگارِ ناسازگار بتہیۂ اسبابِ فراغت مسامحت نمی نمود، ایامِ ناخجام ساعۃ فساعۃ یعنی ملہی و تعبیۂ مشاغل می ساخت و سپہر بد مہر دم بدم تنگی و نگیہ بر آب می زد و سنگ در آبگینہ خانۂ داعیہ و ارادت می انداخت"[1]

مزید برآں مصنف کو اپنے خاندانی اعزا و اقربا کے اِدھر اُدھر منتشر ہو جانے سے بھی تکمیلِ کتاب کے سلسلے میں یکسوئیِ ذہن و طمانیتِ قلب میسّر نہیں تھی:

"باندک زمانی و کمتر مدتی اہالیِ خاندان کہ عقدِ ثریا مجموع بودند چوں بناتِ نعش متفرق گشتند، از اکثر متعلقان کہ پیوند جانی داشتند و اتصالِ دینی خالی گشت

از صرصرِ حوادث نکبارِ روزگار	در باغِ عمر تازہ و ترہیچ گل نماند
سیلابِ غم گرفت حوالیِ دلِ تمام	در سینہ از نشاط و طرب جز و کل نماند
بشکست عود و شمع زد و مرد گل بریخت	مخمور گشت ساقی و در شیشہ مل[2] نماند"[3]

انہی حالات میں مصنف کے گھر ہی پر ایک بار ان کے والد[4] کے پاس کچھ عقیدتمند دل اور اہلِ دل کی مجلس جمی ہوئی تھی جس میں چند سابقہ کتب کے حُسن و قبح پر خیال آرائیاں ہو رہی تھیں۔ ہر فرد اپنی پسندیدہ کتابوں کے متعلق مبالغہ آمیز رائیں دیتا اور ناپسندیدہ کتب پر کارد تنقید و جرح پھیرتا رہا۔ خصوصیت کے ساتھ گلستانِ سعدی کا ذکر بھی آیا جس کے حُسنِ بیان اور سلاست و روانیِ عبارت پر تقریباً سبھی متفق الرائے تھے۔ مصنف نسخۂ ہذا خود بھی مجلس میں موجود تھے کہنے لگے کہ گلستاں یقیناً لاجواب تصنیف ہے لیکن عیب سے صرف صحیفۂ خداوندی ہی مبرّا ہے:

---

[1] دیباچۂ نگارستان: ص ۵۔ [2] یعنی انگوری شراب۔ [3] دیباچۂ نگارستان: ص ۹۔
[4] مصنف معینی نے نگارستان میں اپنے والد سے متعلق چند حکایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صوفی تھے اور کچھ افراد موصوف کے حلقۂ ارادت میں شامل بھی تھے۔

"اگر تو فکر کنی در جہان بنا بی ہیچ بجز کتاب کریم خدای عزّ و جلّ"[1]

اس لیے دورِ حاضر کا تقاضا ہے کہ جدید تصنیفات بھی موضوعِ اخلاق سے متعلق منظر عام پر آئیں۔ چنانچہ اس طویل مجلس کا انجام یہ ہوا کہ جدید تصنیف کا بارِ گراں معینی الجوینی ہی اپنے ضعیف و ناتواں دوش پہ رکھیں۔ آخر کار موصوف اپنی بے بضاعتی اور وقت کی نامساعدت کے باوجود شغلِ ترتیب میں منہمک ہو گئے۔ کچھ مواد اکٹھا کر لینے کے بعد ابتداءً اپنے مسودہ کا نام "فتح" رکھا تھا:

"آسودہ گشت خاطرم از فکر نامۂ کز غیب فال "فتح" برآمد بنام او
نامی نہاد مش کہ اگر بسکری بود صد باغ و بوستان و گلستان غلام او"[2]

لیکن چند وجوہات کی بنا پر یہ نام مصنف کے پسندِ خاطر نہ ہوا۔ لہٰذا التعیّن نام کے سلسلے میں مزاراتِ مشائخ کی زیارت کے لیے نیشاپور کی جانب رختِ سفر باندھنے کی ضرورت محسوس کی:

"بعزیمتِ زیارتِ مراقد و مضاجعِ مشائخ متوجہ نیشاپور شدم"[3]

نیشاپور پہنچنے کے بعد وہاں کے احباب اور بزرگوں نے سفر کی غرض و غایت معلوم کرنی چاہی، موصوف نے تفصیل کے ساتھ جب اپنا مقصدِ سفر بیان کیا تو ایک کرم فرما نے مشورہ دیا کہ یہاں قریب ہی فلاں مزار کے پاس "نگارستان" نامی ایک معروف و مشہور باغ ہے، وہاں کی لطف اندوزی سے آپ کی مراد بر آئے گی۔ چنانچہ معینی الجوینی باغ میں تشریف لے گئے جہاں کی پُر بہار اور فرحت بخش فضاؤں سے نام کتاب کا لاینحل عقدہ حل ہو گیا اور اس طرح گویا اپنی کتاب کا نام بھی مذکورہ باغ کے نام سے موسوم کیا:

---

[1] دیباچۂ نگارستان: ص ۱۰ [2] ایضاً: ص ۱۶۔ [3] ایضاً۔

" شادماں بر جسم و جانی رخت مراجعت در بستم - عقدۂ ضمیر کشادم و اجزا نوشته را نام " نگارستان " نهاده ، بشتاب هر چند تمامتر مرکب می رانم "[1]

یہ کتاب نگارستان اپنی بہتر سے بہتر حکایاتی نصائح اور سبق آموز واقعات کے باوجود گمنامی میں کیوں پڑی رہ گئی ؟ گو کہیں نہ کہیں اِس کا کافی شہرہ رہا اور قبولیتِ عام و خاص کا اعزاز بھی پایا - لیکن حیرت ہے کہ ہمارے ہندوستان میں گلستانِ سعدی کے بمقابلہ اُس کا عشرِ عشیر حصہ بھی اسے نہ ملا - اور سب سے زیادہ قابلِ افسوس المیہ یہ ہے کہ مصنفینِ فارسی اور اُردو نے اس کے تعارف کے سلسلے میں کچھ بھی لکھنا گوارا نہ کیا - اگر کسی نے ہمت کی تو صرف نامِ کتاب و مصنف ذکر کر کے عنانِ قلم کھینچ لی - ملک الشعراء آقا محمد تقی بہار (متوفی ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء) نے صرف اتنا لکھا ہے کہ گلستاں کی تقلید میں لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے اہم اور مشہور ترین تین کتابیں ہیں ؛ معینی الجوینی کی " نگارستان " جامی (متوفی ۸۹۸ھ / ۱۴۹۲ء) کی " بہارستان " اور قاآنی (متوفی ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء) کی " پریشان "[2] - البتہ " تذکرۃ الشعراء " فہرستِ کتبِ فارسی انڈیا آفس لائبریری جلد اول اور فہرستِ کتب فارسی برٹش میوزیم جلد دوم میں چند سطریں مذکور ہیں لیکن ان تینوں میں " تذکرۃ الشعراء " نے کسی حد تک اہمیتِ کتاب نگارستان کی مزید اطلاع بہم پہنچائی ہے - مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دولت شاہ سمرقندی (متوفی ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) کی پوری عبارت درج کر دی جائے :

" کتاب نگارستان از مؤلفات مولانا معینی است کہ بر طرز گلستان شیخ سعدی نوشته - اما از آن کتاب بسیط تر است و دانشمندانه نوشته و لوادر و امثال و حکمتهای مفید در ان کتاب درج نموده و مشائخ بحرآباد[3] آن کتاب را

---

۱ دیباچۂ نگارستان : ص ۱۸ - ۲ سبک شناسی (تاریخ تطورِ نثر فارسی) جلد سوم : ص ۱۵۶

۳ یہ مقام خراسان میں ہے جہاں مشہور صوفی شیخ الملۃ والدین محمد بن المؤید الحمّوئی کی قبر ہے (بحوالہ سفینۃ الاولیاء (قلمی) مملوکہ دہلی یونیورسٹی ، مصنفہ دارا شکوہ (متوفی ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء) : ص ۱۰۲ -

پیشکشِ اُلغ بیگ کردند۔ بوقتیکہ سلطان مشارٌالیہ در محلّ یورشِ عراق بزیارتِ اکابر بحر آباد آمدہ بود و بادشاہ فرمود تا کتّاب آں کتاب را نوشتند بخوب ترین خطی و تکلّفی و دائماً آں کتاب را مطالعہ فرمودے ولپسندیدہ داشتی۔ وآں کتاب در ماوراءالنہر شہرتی عظیم یافتہ[1]

اس اقتباس سے "ناظرین خود ہی کتاب مذکور کی عظمت و خوبی کا اندازہ کر سکتے ہیں خصوصیت سے مرزا اُلغ بیگ گورگان جیسے بادشاہ، متبحر عالم اور ماہر فنون ریاضی و نجوم کی پسند گویا خود کتاب کے لیے عظیم ثبوت ہے۔ یہ مرزا الغ بیگ امیر تیمور کا پوتا یعنی مرزا شاہ رُخ (متوفی ۸۵۰ھ) کا لڑکا تھا جو ۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء میں قلعہ سلطانیہ میں پیدا ہوا۔ گیارہ سال کی عمر کو یہ پہنچا تو باپ نے سفرِ آخرت اختیار کر لیا۔ ۸۱۴ھ/۱۴۱۱ء میں ماوراءالنہر کا گورنر بنایا گیا۔ والد کے انتقال کے بعد خراسان بھی اپنے زیرِ نگیں کر لیا تھا لیکن بعد میں اس کا بڑا لڑکا مرزا عبداللطیف نے باغی ہو کر باپ کے بالمقابل محاذِ جنگ کھول دیا۔ چنانچہ انجامِ جنگ یہ ہوا کہ باپ کو بیٹے کے آگے شکست اور سرنگوں ہونے کی ذلت اٹھانی پڑی۔ پھر معاملہ یہیں ختم نہ ہوا بلکہ بیٹے نے اپنے باپ اور چھوٹے بھائی مرزا عبدالعزیز کو ۸۵۳ھ/۱۴۴۹ء میں شہید کرا دیا[2] پھر خدا کی قدرت اور اس کا کرشمہ دیکھیے کہ باپ کی شہادت کے چھ ماہ بعد ہی مرزا عبداللطیف بھی ۸۵۴ھ/۱۴۵۰ء میں اُلغ بیگ اور عبدالعزیز کے ملازموں کے ذریعے قتل کر دیا گیا۔ اُلغ بیگ کو شہید کرانے کے بعد تا دمِ آخر یہ شعر ذیل عبداللطیف کے وردِ زبان رہا:

"پدر کُش پادشاہی را نشاید ... دگر شاید بجز ششِ مہ نپاید[3]

حیات مصنف نگارستان | نام معین الدین، تخلص معینی، وطن "آوہ" منسوب بجوین[4] اور اسفرائن[5]

---

[1] تذکرۃ الشعراء: ص ۳۴۱ [2] حبیب السیر جلد سوم: ص ۱۵۱ مصنفہ خواند میر (متوفی ۹۴۱ھ/۱۵۳۴-۳۵ء)
[3] حبیب السیر جلد سوم: ص ۱۶۳؛ مصنفہ خواند میر ۔۔، [4] یہ دونوں مقامات صوبہ خراسان کے مشہور شہر نیشاپور کے علاقے میں ہیں۔ (بحوالہ لغت نامہ دہخدا، حرف الف: ص ۲۲ ۲۳ اور حرف جیم: ص ۱۶۸

صاحبِ نگارستان کی حیات بھی ان کی تصنیف کی طرح اہلِ قلم کے نزدیک غالباً قابلِ اعتنا تصور نہیں کی گئی۔ حیرت ہے کہ خود معینی الجوینی نے اپنی کتاب کا جو طویل دیباچہ لکھا ہے اس سے بھی پیدائش یا خاندانی حالاتِ زندگی کی وضاحت نہیں ہوتی۔ صرف برٹش میوزیم، لندن کی فارسی کیٹلاگ جلد دوم میں مسٹر چارلس ریو (Charles Rieu) اور دولت شاہ سمرقندی نے تقریباً ایک ہی طرح کی چند سطریں لکھی ہیں۔ یہاں دولت شاہ کی پوری عبارت نقل کی جا رہی ہے:

"مرد فاضل و دانشمند و سالک بودہ و از جملہ مریدان خاندان مبارک شیخ الشیوخ سعد الملۃ والدین الحمّوئیہ بودہ است و مولد مبارک مولانا معینی قریہ "اندادہ" است من اعمال جوین و او در علم شاگرد مولانا فخر الدین خالدی اسفراینی است کہ ایں مولانا میانِ علمای بہشتی مشہور است و شرح فرائض او نوشتہ است"[1]

مقامِ ولادت کے سلسلے میں مسٹر ریو نے "آوہ"[2] لکھا ہے۔ یہی مقام صحیح معلوم ہوتا ہے جو جوین اور اسفراین کے مضافات ہی میں ایک مشہور قریہ تھا جس کا ذکر دیگر کتبِ تواریخ و جغرافیہ میں بھی ملتا ہے۔ خصوصیات کے ساتھ مسٹر جی۔ لی اسٹرینج (G. Le Strange) اور حمد اللہ مستوفی قزوینی (متوفی ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء) نے تفصیل کے ساتھ "آوہ" کا ذکر کیا ہے[3] لیکن دولت شاہ کا رقم زدہ مقام "اندادہ" تلاشِ بسیار کے باوجود مجھے کسی کتاب میں نہیں ملا۔

مولانا معینی الجوینی آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) کے ایک باصلاحیت عالم و بزرگ تھے۔ نیز عربی اور فارسی زبانوں پر مکمل عبور کے ساتھ ساتھ دونوں زبانوں میں تخلیق

---

[1] تذکرۃ الشعراء: ص ۲۴۰۔
[2] Persian Gatalogue British Musium, V.2: P. 754.
[3] جغرافیہ خلافت مشرقی (اردو)؛ مترجم مسٹر جمیل الرحمٰن صفحات ۱۹۶، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۲۹، مطبوعہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن، ۱۹۳۲ء اور نزہۃ القلوب: ص ۹۰۔

اشعار پر بھی قدرت رکھتے تھے جس کی شہادت وہ اشعار ہیں جو صفحاتِ نگارستان پر متعدد جگہوں میں حسبِ مواقع مذکور ہیں۔

موصوف کے علمی استاد کا نام مولانا شمس الدین علی بن اسفراینی تھا[1] جو دولت شاہ سمرقندی کی تحریر کے مطابق بہشتی مشہور تھے۔ جن کا ذکر عطا ملک جوینی (متوفی ۶۸۱ھ/۱۲۸۳ء) نے اپنی تاریخ میں کئی مقامات پر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"خواجہ فخر الدین بہشتی را کہ ہر چند مولد و منشاءِ او "خوارزم" بود امّا اشتہار او بدیں نسبت حقیقت آں حال بود کہ شاعر گوید:

أُدعى باسماءٍ نبزاً فی قبائلها　　کأنّ اسماءَ أضحت بعض اسمائی

و او مردی خیّر و سلیم دل بود باسم اُلغ بتیکچی[2] موسوم گردانید"[3]

عطا ملک جوینی کی دیگر متعدد سطروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معین الجوینی کے استاذِ محترم امیر ارغون[4] (متوفی ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ء) کے دورِ حکومت میں معزز عہدوں پر فائز اور امیر ارغون کے قابلِ اعتبار حواریوں میں سے تھے۔

معین الجوینی کی متصوفانہ عقیدت و ارادت مشہور صوفی خاندان حَمُّوَیہ کے شیخ یوسف کے ساتھ وابستہ تھی جن کی جانب اپنی تصنیف "نگارستان" منسوب کی ہے۔ اِن شیخ موصوف کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں، البتہ اِن کے والد شیخ صدر الدین ابراہیم (متوفی ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء)

---

[1] نگارستان: ص ۲۴۴۔ [2] اُلغ بمعنی بڑا اور بتیکچی کے معنی منشی یا کاتب۔ یہ دونوں ہی الفاظ ترکی ہیں۔ [3] تاریخ جہاں کشای، جلد دوم: ص ۲۴۶۔ [4] ہلاکو خان کے ایران پر قابض ہونے سے پہلے یہ امیر تقریباً پندرہ[15] سال تک شاہانِ مغول کی طرف سے خراسان، مازندران، عراق، آذربائیجان، موصل اور حلب وغیرہ کا حاکم مطلق رہا ہے (بحوالہ مقدمۂ تاریخ جہانگشای جلد اول: ص کا اور کب؛ مصحح و مرتب محمد بن عبدالوہاب قزوینی متوفی ۱۳۲۶ھ، خورشیدی)

اور دادا شیخ سعد الملّۃ والدین الحمّوئی[۱] (متوفی سنہ ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء) کا ذکر متعدد کتب میں پایا جاتا ہے۔ شیخ یوسف کے والد صدر الدین ابراہیم وہ عظیم اور متبرک ہستی تھے جن کے دستِ مبارک پر ہلاکو خان کا پرپوتا غازان خان (سلطان محمود متوفی سنہ ۷۰۳ھ / ۱۳۰۴ء) اپنے آبائی طریق ومسلک کو چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوا۔ لیکن قبولیتِ اسلام کا یہ شرف امیر نوروز بن امیر ارغون آغا کی تحریص وترغیب سے غازان خان کو حاصل ہوا تھا۔ اسلام لانے کا یہ واقعہ سنہ ۶۹۴ھ / ۱۲۹۵ء میں پیش آیا۔ غازان خان کے ساتھ ہی ہزاروں کی تعداد میں اس کے امراء ولشکریان بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان نومسلموں کی صحیح تعداد میں مختلف رائیں ہیں۔ خواندمیر اور محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے تقریباً ایک لاکھ[۳] اور مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے ساٹھ ہزار لکھا ہے[۴]۔ اسلام لانے کی پوری تفصیل "تذکرۃ الشعراء"، حبیب السیر جلد سوم اور روضۃ الصفا جلد پنجم ملّا خاوندشاہ ہروی (متوفی سنہ ۹۰۳ھ / ۱۴۹۷ء) دیکھی جا سکتی ہے۔

مولانا معینی نے جس عہد میں اپنی کتاب تالیف کی تھی وہ نہایت ہی ہولناک اور پرآشوب دور تھا۔ یہ آخری ایلخانی[۵] سلطان ابو سعید بہادر خان کا عہدِ حکومت[۶] تھا جس کا ذکر دیباچ

---

[۱] یہاں اس نسبت کا عقدہ حل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ عام طور پر اسے "حَمَوی" لکھا یا پڑھا جاتا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ "حَمَوی" نسبت ملک شام کے مقام "حَماۃ" کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن اس حَمّوئی نسبت کا ایک خاندان جُوین (نیشاپور) کا نہایت ہی متبرک اور معزز گذرا ہے جس کے جدِّ اعلیٰ کا نام حَمّویہ تھا۔ اسی کی جانب منسوب ہے۔ چنانچہ یہی تلفظ مسٹر براؤن اور ایتھے نے بھی لکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے "تاریخ جہانگشای" کے مرتب، مصحح اور مشہور محقق محمد بن عبد الوہاب قزوینی کا مقدمہ: ص سب۔ [۲] یہ امیر باتہام دوستیِ سلطان مصر سنہ ۶۹۶ھ / ۱۲۹۶ء میں بحکم غازان خان شہید کر دیا گیا۔ (بحوالہ حبیب السیر جلد سوم: ص ۸۴) [۳] حبیب السیر جلد سوم ص ۸۳ اور مقدمہ تاریخ جہانگشای جلد اول: ص سج [۴] شعر العجم جلد دوم: ص ۲ [۵] یہ مغول خاندان کے ایک سلسلے کا نام ہے جو ہلاکو خاں کے دور سے موسوم ہوا جس کا ذکر کتب (باقی ص ۷۰۰ پر)

نگارستان میں موجود ہے۔ سلطان ابوسعید کا خاندانی نسب مسٹر ایچ۔ ایتھے (H. Ethe) اور حمداللہ مستوفی قزوینی (متوفی ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء) کی تحریروں کے مطابق "ابوسعید بن اُنجایتو بن ارغون بن اباقا بن ہلاکو بن تولوی بن چنگیز خان تھا۔[۱] اسی چنگیزی حکمراں خاندان میں سے اس کا پڑپوتا یعنی ہلاکو خان کا فرزند ثانی نکودار اوّلاً دائرۂ اسلام میں داخل ہوا جس کا اسلامی نام احمد رکھا گیا تھا۔ لیکن یہ سلطان اپنے اسلام کو مصلحتاً امراء و عوام سے پوشیدہ کیے رہا۔ اپنے بھائی اباقا خان کی جگہ تخت نشین ہوا۔ دو سال تین ماہ حکومت کرنے کے بعد اپنے بھتیجے ارغون بن اباقا خان کے ذریعے ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں شہید کر دیا گیا۔[۲] مسٹر تھامس ولیم بیل (Thomas William Beale) اس شہید سلطان کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"اوّل اوست از اولاد چنگیز خان کہ دینِ اسلام را اختیار نمود اما برای مصلحت ظاہر نمی کرد"[۳]

نکودار کی شہادت کے دس گیارہ سال بعد خود اس کے بھتیجے کا لڑکا غازان خان بھی اسلام قبول کر لیتا ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ غازان خان کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی الجایتو بھی قبولیتِ اسلام کے شرف سے مشرف ہوا اور اسلامی نام "محمد" کی سعادت پایا۔ یہ اپنے بھائی

(حاشیہ ۵ بقیہ صفحہ ۴۶) تواریخ فارسی میں ملتا ہے۔ خصوصیت سے روضۃ الصفا جلد پنجم میں کئی صفحات میں مذکور ہے۔ لیکن دائرۃ المعارف (ایران) چوتھا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں اِس خاندانی سلسلے کا مؤسس اباقا خان کو بتلایا ہے: ص ۷۷۹۔ یہ آخری اطلاع مشتبہ ہے۔ ص ۵۱ ب اس کے حدودِ سلطنت افغانستان، عراق، ایران اور سوویت روس میں تقسیم ہو چکے ہیں۔

[۱] Persian Catalogue India office library, V.1: P. 509 اور تاریخ گزیدہ جلد اول: ص ۶۰۱۔ [۲] جامع التواریخ، مصنفہ قاضی فقیر محمد: ص ۲۳۵ [۳] مفتاح التواریخ: ص ۱۰۰۔

غازان خان کی جگہ تخت شاہی پر متمکن ہوا اور بارہ ۱۲ سال تک حکومت کرکے ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء میں انتقال کرگیا[1]۔ اس سلطان کے بارے میں پروفیسر براؤن (Browne) لکھتے ہیں:

"۱۳۰۵ء میں بعمر چوبیس ۲۴ سال تخت نشین ہوا۔ بچپن میں ماں (اُرُوک خاتون) کی خواہش کے مطابق گرجا میں بپتسمہ ہوا پھر بعد میں بیوی کے ذریعے اس نے اسلام قبول کرلیا[2] اور ۱۳۱۶ء میں حملۂ مرض گٹھیا سے وفات پاگیا۔ اس کے چھ ۶ لڑکے تھے اور تین ۳ لڑکیاں تھیں، جن میں پانچ لڑکے اور ایک لڑکی دورِ طفولیت ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ صرف ایک لڑکا اور دو لڑکیاں بقیدِ حیات رہ گئے تھے[3]۔"

جو لڑکا زندہ رہا وہی تاریخ میں آخری ایلخانی حکمراں سلطان ابوسعید بہادر خاں کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سلطان ۸ ذیقعدہ ۷۰۴ھ/۱۳۰۴ء میں آذربائیجان کے ایک شہر "تُورتوی" میں پیدا ہوا۔ پدر (سلطان الجایتو) کی جانب سے بعمر نو سال ۷۱۳ھ/۱۳۱۳ء میں خراسان کا زماں روا مقرر کیا گیا۔ پھر جب سلطان الجایتو کی وفات ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء کے آخر میں ہو جاتی ہے تب یہ ماہ صفر ۷۱۷ھ/۱۳۱۷ء میں پوری مملکت کا سلطان منتخب کرلیا جاتا ہے اور باتفاقِ جمہور سلطان ابوسعید کا ایک بازو امیر چوپان[4] اور دوسرا بازو امیر شیخ[5] نے پکڑ کر سریرِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ انیس ۱۹ سال تک حکومت کرنے کے بعد ۱۳ ربیع الآخر ۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء میں پیغامِ اجل آپہنچا اور اپنے دارالسلطنت شہر سلطانیہ[6] میں مدفون ہوا[7]۔ چونکہ سلطان ابوسعید کا کوئی وارث نہ تھا جس کی وجہ سے وفات کے

---

۱ جامع التواریخ از قاضی فقیر محمد: ص ۲۳۵
۲ (Literary history of Persia, V.3: P.46) ۳ ایضاً 51
۴ سلطان ابوسعید کے عہدِ حکومت میں ابتداءً پوری مملکت کی وزارت اسی امیر کے حوالے کی گئی تھی ۵ سلطان ابوسعید کو جب عمرِ طفلی میں الجایتو نے خراسان کا حکمراں بنایا تھا تو یہی امیر اُس کا معاون حکومت اور اتابک مقرر ہوا تھا۔ ۶ اس شہر کی بنیاد سلطان ابوسعید کے دادا ارغون خان نے ۷۰۵ھ/۱۳۰۵ء میں رکھی تھی لیکن تکمیل سلطان ابوسعید کے والد الجایتو کے زمانے میں ہوئی جس نے اس شہر کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، پھر سلطان ابوسعید
(باقی صفحہ ۴۹ پر)

بعد ہی ہر علاقہ کا امیر یا گورنر خود مختار بن گیا۔ انجام کار پوری مملکت میں انارکی اور طوائف الملوکی پھیل گئی۔ اس شر و فتنہ کی مدت تقریباً پچاس سال تک جاری رہی۔ اس کے بعد تاریخ شہنشاہیت ایک نیا موڑ لیتی ہے، وہ اس طرح کہ جس سال سلطان ابوسعید کی وفات ہوئی اسی سال امیر تیمور کی ولادت ہوتی ہے جس کے ذریعہ پچاس سالہ طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دولت شاہ سمرقندی لکھتے ہیں:

"۷۳۶ھ تا ۷۸۱ھ قریب پنجاہ سال در ایران زمین ملوک اطراف یک دیگر را گردن نمی نہادند و ولایت بولایت و شہر بشہر و دیہ بدیہ بخصومت مشغول بودند تا شمشیر آبدار قطب دائرۂ سلطنت و صاحبقران اعظم امیر تیمور گورگان از قراب غیرت رخ نمود آتش فتنہ منطفی نشد۔

سلطان ابوسعید سیرت و عادات کے لحاظ سے مجموعۂ اضداد تھا، ایک طرف اگر محاسن و خوبیوں کا مالک تھا تو دوسری جانب شقاوتِ قلبی اور بدگمانیوں جیسی خصوصیات کا مظہر بھی۔ بڑے بڑے علماء، امراء اور شریف زادے اس کے ایک اشارۂ حکم سے نہایت بیدردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ مشہور مغول مؤرخ رشید الدین فضل اللہ جو سلطان ابوسعید کے آباء و اجداد میں سے تین بادشاہوں (اباقا خان، غازان خان اور الجایتو) کا وزیر اعظم رہ کر ان کی بادشاہت کے نظم و نسق میں عظیم کارنامے دکھا چکا تھا اور خود ابوسعید

(بقیہ حاشیہ ۴۸)

نے بھی اپنے دور میں مرکزِ حکومت بنایا تھا۔ یہ شہر عراق کے نسبی قطعات (جسے عراق عجم کہا جاتا تھا) میں واقع تھا جو مغلوں (ایلخانیوں) کے دور میں بغداد کی طرح خوبصورت اور عظیم الشان شہر کی حیثیت حاصل کر چکا تھا لیکن اب یہ شہر صفحۂ ہستی سے ختم ہو چکا ہے۔ البتہ کہیں کہیں اس کے شکستہ آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ (بحوالہ "جغرافیہ خلافت مشرقی" مصنفہ جی۔ لی اسٹرینج؛ مترجم اردو مسٹر جمیل الرحمٰن ایم۔ اے۔ صفحات ۵، ۱۰، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۸، ۲۲۹۔ مطبوعہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن ۱۹۳۰ء)

کو وزارت میں بھی شامل تھا، اسے اور اس کے چودہ سالہ فرزند ابراہیم کو اپنے ایک وزیر مسمّٰی علی شاہ کی حاسدانہ شکایتوں سے متاثر ہو کر ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء میں شہید کرا دیا۔ اسی طرح امیر چوپان کی شادی شدہ حسین لڑکی بغداد خاتون پر جب ایک بار نظر پڑتی ہے تو اپنا متاعِ دل کھو بیٹھتا ہے اور اس کو اپنانے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔ عشق کی ناشکیبائی اور بیتابیِ دل سے مجبور ہو کر لڑکی کے باپ کو مجبور کرتا ہے کہ سابق شوہر امیر شیخ حسن جلائر[1] سے طلاق دلوا کر میرے ساتھ عقدِ نکاح کر دے۔ بتقاضائے شرم و غیرت امیر چوپان فرار اور روپوشی کا سہارا لیتا ہے پھر بھی جان کی سلامتی نہیں پاتا۔ آخر کار ۷۲۴ھ/۱۳۲۳ء میں امیر چوپان، اس کے لڑکے دمشق خواجہ اور دیگر لواحقین و متعلقین کو تہ تیغ کرا دیتا ہے۔ اس کے بعد پھر بغداد خاتون کے شوہر کے پاس قاضی مبارک شاہ کو بھیج کر یہ حکم صادر کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر میرے حوالے کر دے۔ چنانچہ خوفِ جان اور فرمانِ سلطان کے بموجب شیخ حسن اپنی محبوب بیوی کو چھوڑ کر بھیانک انجام سے رہائی پاتا ہے۔ ملّا خاوند شاہ ہروی لکھتے ہیں:

"سلطان ابوسعید قاضی مبارک شاہ را طلب فرمودہ گفت پیشِ امیر شیخ حسن رود، بہر صورت کہ دانی و بہر کیف کہ توانی اورا از سرایں خاتون بگذرد۔ آں قاضی برحسب فرمان با میر مشارٌ الیہ ملاقات کردہ گفت از جانب سلطان با بلاغ چیزی بدیع و حکایتی غریب مامورم کہ گفتنِ آں موجبِ شرمندگی و نہفتنِ آں مستلزم عدمِ زندگیست، چہ ہر کہ حیات را بکار دارد باید کہ از مقتضیِ بادشاہ سر نتابد۔ اکنوں مصلحتِ شما در آں است کہ طوعًا و کرہًا مفارقتِ بغداد خاتون اختیار فرمائید۔ امیر شیخ حسن

---

[1] یہ امیر سلطان ابوسعید کا پھوپھی زاد بھائی اور مختلف علاقوں کا سلطان مذکور کی طرف سے حاکم بھی تھا۔ (بحوالہ مفتاح التواریخ مصنفہ تھامس ولیم بیل: ص ۱۳۸، اور سفرنامہ ابن بطوطہ اردو مترجم مسٹر عبدالرحمٰن صدر حیدرآباد اکیڈیمی، مطبوعہ ندوۃ المصنفین: ص ۵۳، ۲۰۷

جواب داد کہ حکمِ سلطان بر جانِ ما روان است و بر فور خاتون را طلاق دادہ۔
قاضی پیش بادشاہ رفتہ بشارتِ وصلِ دلدار بے مزاحمتِ اغیار رسانید[1]

پھر کچھ عرصہ بعد سلطان ابوسعید نے دلشاد خاتون نامی ایک لڑکی سے شادی کی جو مذکورہ بالا امیر چوپان کی پوتی یعنی دمشق خواجہ کی دختر تھی لیکن قدرت کی انتقامی کارروائیوں کو کون جان سکتا ہے کہ کب اور کس شکل میں قہر بن کر نازل ہو جائے گی؟ چنانچہ اس کے جبر و ظلم کا انجام یہ ہوا کہ جس طرح سلطان ابوسعید امیر حسن کی بیوی بغداد خاتون کو بزور اپنی زوجیت میں لے آیا تھا۔ اس کی پاداش میں دو عبرتناک واقعوں کا ظہور رہا - ایک یہ کہ بغداد خاتون سوزِ حسد کی بیقراری میں ایک دن زہر دے کر سلطان کی جان لیوا ثابت ہوئی اور خود بھی ایک یونانی خواجہ سرا کے ذریعے غسل خانہ میں قتل کر دی گئی۔ اور دوسرے واقعہ کا ظہور یوں ہوا کہ سلطان کی وفات کے بعد شیخ امیر حسن[2] (سابق شوہر بغداد خاتون) نے عراق پر قبضہ کر لینے کے بعد ابوسعید کی زوجۂ ثانی دلشاد خاتون کو اپنے حبالۂ عقد میں کر لیا[3]

یہ سلطان اشعار کا بھی ذوق رکھتا تھا۔ چنانچہ مخصوص حالات سے متاثر ہو کر کبھی کبھی دُودِ آہ بن کر زبان سے برآمد ہو جایا کرتے تھے۔ رضا قلی خاں ہدایت (متوفی ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء) نے

---

[1] روضۃ الصفا جلد پنجم: ص ۱۷۵۔ [2] پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب (Literary History of Persia, V.3: P.54 میں امیر موصوف کا نام شیخ حسین لکھا ہے، حالانکہ یہ نام امیر مذکور کے والد کا تھا۔ ازالۂ شبہہ کے لیے دیکھیے: حبیب السیر جلد سوم: ص ۱۲۲، روضۃ الصفا جلد پنجم: ص ۱۷۵، مجمع الفصحا جلد اول: ص ۱۰، لغت نامہ دہخدا (حرف الف: ابوسعید): ص ۵۰۷ اور سفرنامہ ابن بطوطہ ---- ۔ (اردو ترجمہ مطبوعہ ندوۃ المصنفین): ۲۰۷۔ لیکن سفرنامہ ابن بطوطہ (اردو) کے صفحہ ۵۳ پر شیخ حسین بھی لکھا ہے جو غالباً کتابت کا سہو ہے۔ [3] سفرنامہ ابن بطوطہ (اردو ترجمہ) مترجم مسٹر عبدالرحمٰن: ص ۴۵، ۲۰۷۔

اس کے دو اشعار نقل کیے ہیں:

"میانِ کعبہ و اگرچہ صد بیابانست   در یچۂ زحرم در سراچۂ جانست
بیا بمصر دلم تا دمشق جاں بینی   کہ آرزوی دلم در ہوای بغداد است"[1]

مذکورہ بالا اشعار غالباً سلطان کی زبان سے اُن ایام میں نکلتے رہے جب بغداد خاتون کے سوزِ عشق سے بیتاب ہو رہا تھا۔ ملا خاوند شاہ ہروی لکھتے ہیں:

"تعلق و تعشق بہ بغداد خاتون پیدا شد و روز بروز آتشِ محبت افروختہ تر گشت تا صبر و سکون از سراچۂ دلِ او رخت بربست و این بیت از تتمۂ غزلیست کہ در آں ایام انشا فرمودہ"[2]

صاحب نگارستان نے سلطان ابوسعید کے وزیر خواجہ غیاث الدین محمد کا بھی ذکر دیباچہ میں کیا ہے جو دورانِ تصنیف وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز تھا۔ یہ وزیر مشہور مورخ رشید الدین فضل اللہ کا فرزند ارجمند تھا اور اپنے والد کی طرح ہی علم و عقل، دانش و ہنر کا مجموعہ اور ماہرِ نظم مملکت تھا، عالمِ شباب ہی سے انتہائی پاکبازی کی زندگی بسر کی اور اسی عمر میں زیارتِ خانہ کعبہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہو چکا تھا۔ سلطان الجائیتو کے عہد میں خراسان کے عہدۂ انسپکٹری پر مامور تھا اور ابوسعید کے دور میں وہاں کا گورنر مقرر رہا۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب وزیر خواجہ دمشق بن امیر چوپان کشتۂ سیفِ ستم ہو گیا تو اسے وزیرِ اعظم کے منصب پر ممتاز کر دیا گیا۔ سلطان ابوسعید کی وفات کے بعد اس نامور اور نیک دل وزیر نے مرحوم سلطان کی سلطنت کو انتشار سے بچانے کے لیے حتی الوسع جد و جہد کی لیکن ملک کے بگڑے ہوئے حالات نے حاسدوں اور اہلِ ہوس کو موقعہ فراہم کر دیا کہ وہ اپنی خباثتوں کا بھرپور مظاہرہ کر سکیں چنانچہ خود سلطان کے ماموں امیر علی کے ہمدردوں نے ۲۱ رمضان ۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء میں اس لائق وزیر کو شہید کر دیا۔[3] فرشتہ خصائل وزیر موصوف کے تفصیلی حالات

---

[1] مجمع الفصحاء، جلد اول: ص ۱۰۔ [2] روضۃ الصفا جلد پنجم: ص ۱۷۰۔ [3] حبیب السیر جلد سوم: ص ۱۲۷۔

"حبیب السیر جلد سوم" کے صفحات ۱۲۲ تا ۱۲۴ دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں وزیر ممدوح کے فطری توازن اور دریا دلی سے متعلق حمداللہ مستوفی قزوینی کے چند الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں:

"ہرکہ در حق خاندان مبارک ایشاں بدیہای (کذا تحریر آں موجب تنفر خاطر مستمعان باشد) کردہ بود بخلاف آنکہ بمکافات مشغول شود رقم عفو بر جرائد جرائم ہمگنان کشید، آں بدیہا بہ نیکی مقابلہ فرمود و در حق ہریک از ایشاں از یمن ایں دولت نسخہ کرد بانواع اکرام ایشاں را بمراتب عظیم رسانید و مقدار اشعال خطیر گردانید و اکنوں آنچہ یک تمنای کردند برای العین مشاہدہ می کنند"[1]

پروفیسر براؤن کی تحریر کے مطابق وزیر غیاث الدین محمد کل چودہ بھائی تھے اور چار ہمشیرائیں تھیں۔ تقریباً سبھی برادران مغول عہدِ حکومت میں کسی نہ کسی علاقے کے گورنر یا دیگر اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، حتیٰ کہ وزیر موصوف کے بعض بھانجے بھی کلیدی مناصب سے نوازے گئے تھے[2]۔

پچھلے صفحات کے حاشیہ پر پروفیسر براؤن کے ایک اشتباہ کا ذکر گذر چکا ہے۔ یہاں پھر وزیر غیاث الدین کے برادران سے متعلق بھی ایک الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب جلد سوم کے صفحہ ۴۸ پر خواجہ رشید الدین (پدرِ وزیر موصوف) کے صاحبزادوں کے ناموں کی ایک فہرست دی ہے اور پھر اسی فہرست کے قبل صفحہ ۸۱ پر جہاں خواجہ رشید کے "مجموعۂ خطوط" کی تفصیل لکھی ہے اس میں ایک ایسے لڑکے کا نام ملتا ہے جو یکسر پندرھواں نام ظاہر ہوتا ہے، جس سے خود پروفیسر موصوف کی ذکر کردہ فہرست سے قطعاً کوئی مطابقت نہیں۔ اصحابِ نظر تحقیق پروفیسر صاحب کی کتاب جلد سوم کے صفحات "اسّی" سے چھیاسی تک ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

---

[1] تاریخ گزیدہ جلد اول: ص ۶۱۱۔

[2] Literary history of Persia, V.3: P.80 to 84.